میمونہ علی چوگلے (کویت)

آل احمد سرور

قد آور نقاد

اُردو ادبیات کے ممتاز اور مستند نقاد، اداریہ نویس، مدیر، شاعر اور دانش ور آل احمد سرور ۱۹/ فروری ۲۰۰۲ء کو اکانوے سال کی عمر کے بعد ہم سے رُخصت ہوئے۔ اکانوے سال کے طویل عرصے میں دُنیا کی تاریخ میں حیرت انگیز تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں۔ سائنس کی بے پناہ ترقی نے مشرق ومغرب کے فرق کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ سرور صاحب نے ان سب چیزوں کا اثر قبول کیا اور کئی نسلوں کو علم سے آراستہ کیا ہے۔ اُردو تنقید پر سرور صاحب کا گہرا اثر ہے۔ وہ ادب کو بلند خیال اور عمدہ اُسلوب کے تحت زندگی کے بہترین مناظر کے تناظر میں دیکھنے کے قائل ہیں۔ ان کی تنقیدی صلاحیت کی بڑائی اس وصف میں پوشیدہ ہے کہ انھوں نے ادب وتنقید کی ہر تحریک اور میلان کو ہمدردانہ زاویہ نظر سے دیکھا اور تنقید میں ایک نئے انداز، نئی طرز کے بنیاد گزار کہلائے۔ ادب کی طرح تنقید کو بھی تخلیقی حیثیت کا حامل قرار دیا اور اپنے مضمون ''تنقید کیا ہے'' میں لکھتے ہیں:

''اچھی تنقید تخلیقی ادب کی طرف مائل کرتی ہے اور وہ خود تخلیق ہوتی ہے۔ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر مہر نہیں لگاتی، اس کے ذہن کی تربیت کرتی ہے۔ تخلیقی ادب میں تنقید، تخلیق ادب سے بے نیاز نہیں کرسکتی، دونوں کے درمیان کوئی خلیج نہیں ہے مگر اس کا تخلیق کے بنیادی خیال تک پہنچنا ضروری ہے۔ بڑی تنقید، تخلیقی ادب سے کسی طرح کم نہیں ہوتی بلکہ وہ خود تخلیق ہوجاتی ہے۔''

انھوں نے اُردو تنقید کو نئے امکانات سے آشنا کیا۔ ادب کی تخلیق میں نئے پیمانے اور جدید اُسلوب کی جانب مبذول کروائی۔ ان کے والد ڈاک خانہ میں ملازمت کرتے تھے۔ اس لیے سرور مختلف سکولوں اور کالجوں سے ہوتے ہوئے سینٹ جانسن کالج آگرہ سے سائنس میں گریجویٹ ہوئے۔ پھر انگریزی میں ایم۔اے کیا اور بعد میں اُردو میں بھی ایم۔اے کی سند حاصل کی۔ جب وہ

ایم۔اے کے سال اوّل میں تھے تو علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔سال دوم میں آئے تو یونین کے الیکشن میں حصّہ لیا اوراس کے نائب صدر منتخب ہوئے۔اس زمانے میں یونین کے صدر (پروائس چانسلر) ہوتے تھے۔یہ وہ اعزاز تھا جو صرف سینئر طلبہ ہی کو حاصل ہوتا تھا مگر سرور صاحب کی تحریر و تقریر نے ان کو یونین کا وہ عہدہ بھی دلوا دیا، جس کی تمنا صرف سینئر طلبہ ہی کیا کرتے تھے۔یونین کی تمام مصروفیات کے باوجود انھوں نے ایم۔اے انگریزی کا امتحان اوّل درجے میں پاس کیا۔یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء کو دو سال کے لیے ان کا تقرر شعبۂ انگریزی میں بہ حیثیت لیکچرار ہو گیا۔جہاں انھوں نے ۱۹۳۶ء تک کام کیا۔انھوں نے اسی سال اُردو میں ایم۔اے بھی کیا۔شعبۂ انگریزی کی عارضی لیکچررشپ کی مدت ختم ہونے تک یہ ایم۔اے اُردو ہو چکے تھے۔لہٰذا شعبۂ انگریزی سے شعبۂ اُردو میں منتقل ہو گئے۔۱۹۴۵ء تک یہاں ملازمت کی اور پھر ان کا اسی سال رام پور رضا کالج میں بہ حیثیت پرنسپل تقرر ہو گیا۔ایک سال بعد یہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں ریڈر کے عہدے پر فائز ہوئے، جہاں ۱۹۵۵ تک اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھا کر بہت ناموری حاصل کی، لیکن دس سال بعد اپنی حق تلفی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے یہاں سے رُخصت ہو کر دوبارہ علی گڑھ آ کر ریسرچ پروفیسر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔یکم مئی ۱۹۵۸ء کو رشید احمد صدیقی کے بعد صدر شعبۂ اُردو کی حیثیت سے چارج سنبھالا، جو ۱۹۷۳ء تک ان کے پاس رہا۔دورانِ ملازمت سرور صاحب نے اپنے طلبہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی اور ان کے مداح طلبہ انھیں چاہتے رہے۔۱۹۷۴ء میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ سٹڈیز شملہ میں وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے کام شروع کیا۔۱۹۷۷ء میں کشمیر یونی ورسٹی چلے گئے، جہاں ان کا تقرر اقبال چیئر پروفیسر کی حیثیت سے ہوا۔۱۹۷۹ء میں انھی کی کوششوں سے اقبال انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آیا۔

آل احمد سرور کی ادبی زندگی سات دہائیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔اکانوے سال کے دوران ہمارے یہاں کئی تہذیبی اور ادبی مقاصد نمایاں ہو چکے تھے۔دو عالمی جنگیں، ہندوستان کی جہدِ آزادی، جامعہ ملیہ اور علی گڑھ جیسے اداروں کے ذریعے جدید تعلیم کے فروغ نے حساس نوجوانوں کو ذہنی مسلح کر دیا تھا۔سرور صاحب کی شخصیت نے اسی فضا میں پرورش پائی۔

آل احمد سرور نے اُردو زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر لکھا ہے۔غالبؔ کے مداح اور

میر و اقبال کے قدر دان رہے، لیکن ان کے یہاں اقبال کو زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انھیں غالب و اقبال سے خصوصی شغف رہا ہے۔ انھوں نے اپنی نصف صدی سے زائد ادبی زندگی میں دونوں عظیم شاعروں پر متعدد مضامین لکھے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے لکھا ہے:

''سرور صاحب نے بہت سے موضوعات پر لکھا ہے لیکن اقبال اور غالب پر انھیں غیر معمولی مہارت حاصل ہے۔ اُردو کے ان عظیم شاعروں پر بہت کم لوگوں کی اتنی گہری نظر ہے، جتنی سرور صاحب کی ہے۔ دراصل مختلف النوع موضوعات کی بھیڑ میں سرور صاحب کی یہ خصوصیت اور غیر معمولی مہارت دب کر رہ گئی ہے۔ ان کے مضامین اور کتابیں غالبیات اور اقبالیات مین اہم اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر ان دونوں میدانوں میں سرور صاحب کے کام کا جائزہ لیا جائے تو وہ غالب کے اعلیٰ درجے کے نقاد اور صفِ اوّل کے ماہرِ اقبال قرار پائیں گے۔''

سرور صاحب کی زبان بڑی دل کش اور مرصع ہوتی ہے۔ اس میں رنگینی و ادبی حسن و مسرت کا وہ خاص خیال رکھتے تھے۔ حسین تراکیب کے ذریعے اُسلوب میں ادبی لطافت پیدا کرنا ان کا خاصا ہے۔ وہ کسی فن کار کے بارے میں لکھتے وقت، ادبی کاوشوں کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے اس کے فن کا کچھ ایسا نقشہ پیش کرتے تھے کہ قاری مسحور ہو جاتا تھا۔ سرور صاحب تنقید اشاروں میں کرتے تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ عیوب کا بیان کم کرتے اور موقع پر رمز و کنائیہ سے کام لیتے تھے، مگر نقائص کو چھپاتے نہیں تھے۔ اس کے مقابلے میں خوبیوں کو نمایاں کر کے پیش کرتے تھے۔ وہ قدیم و جدید ادب کا امتزاج تھے کہ کسی مخصوص نظریہ میں گرفتار رہنے کی بجائے ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ سارے ادب پر ان کی نظر ہو اور ادب کے تمام پہلوؤں سے ان کی واقفیت ہی کی وجہ سے یہ ہمیشہ ملک کے اعلیٰ ترین نقادوں میں اوّل رہے۔ قدیم ادبی روایات کی دل سے قدر کرنے کے باوجود وہ نئے تجربات کا نہایت خوش دلی سے استقبال کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی تحریروں سے کئی نسلوں کی ذہنی تربیت کی ہے۔ ان کے مضامین کے بغیر ہم اُردو تنقید کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اپنی تحریروں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں کہ ہم مدتوں ان سے جلا حاصل کرتے رہیں گے۔ سرور صاحب کی تنقیدی شخصیت کا سب جان دار پہلو ہے انداز بیاں کی دل کشی، ان کی تنقید خشک نہیں ہوتی بلکہ اس میں نثر کی ایسی چاشنی ہوتی ہے کہ تنقید کو انشائیہ کا لُطف لیتے ہوئے قاری خوشی خوشی پڑھتا ہے۔ چوں کہ ان کے مضامین تازگی و شگفتگی سے

بھرپور ہوتے ہیں، اس لیے ان کی تنقید زیادہ ذوق وشوق سے پڑھی گئی۔ یہ تنقید میں فن کار کے فن کی خوبی اور خامیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بھی اس انداز سے کہ دل شکنی نہ ہو، کسی پر ذاتی حملے نہیں کرتے۔ آل احمد سرور کے تنقیدی مضامین کے کئی مجموعے ''تنقیدی اشارے''، ''نئے اور پرانے چراغ''، ''تنقید کیا ہے''، ''ادب اور نظریہ''، ''نظر اور نظریے'' ان کو اُردو ادب میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

تنقید ایک بہت ہی سنجیدہ فن ہے، اس میں انشا پردازی کی خوب صورتی پیدا کرتے ہوئے تنقید کی گتھیوں کو خوش اُسلوبی سے سلجھانا سرور مرحوم کا کمال تھا۔ وہ اپنے تنقیدی مؤقف کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مَیں ادب میں پہلے ادبیت دیکھتا ہوں، بعد میں کچھ اور۔ ادبیت کے معنی محض شاعرانہ رنگینی کے نہیں، نہ مبالغہ آمیز زبان کے، نہ خطابت و تبلیغ کے۔ ادبی زبان کے معنی انشا پردازی کے رکھ رکھاؤ کو برتنے کے ہیں۔ ایک نقاد اچھی، صحیح، دل کش اور پُرکیف نثر نہیں لکھتا تو اس کے خیالات سے متاثر ہونے والے کم ہوں گے۔ اگر وہ کام کی بات کو حسن وخوبی سے بیان نہیں کر سکتا تو اس کی اپیل وسیع نہیں ہوگی۔ نقاد اگر خود ماہرِ فن نہیں ہے تو اسے فن پر رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

سرور صاحب کو ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی دونوں کا ترجمان کہا گیا ہے۔ انھوں نے مغربی ادب کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس کے باوجود انھوں نے زبردستی مغربی ادب کا یا اُدبا کا اُردو والوں سے موازنہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ادب پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور وفکر کے بعد نقد ونظر کی ضرورت ہے۔ انھوں نے انگریزی ادب سے استفادہ تو ضرور کیا لیکن کبھی بھی اس کی بے جا تقلید نہیں کی۔ وہ مغرب کے ہر ادبی اُصول کو آنکھ بند کر کے قبول کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ان کے بقول:

''مَیں نے انگریزی سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن اُردو تنقید کو انگریزی کی نقالی نہیں سمجھتا۔''

آل احمد سرور آسمانِ تنقید پر ایک ایسے عہد میں درخشاں ستارے کی طرح اُبھرے جب اُردو ناقدین کی کہکشاں پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔ یہ تمام نقاد مغربی ادب سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی ادبی روایات کا بھی گہرا اثر رکھتے تھے۔ فراقؔ، مجنوںؔ، احتشام حسین اور کلیم الدین احمد کی طرح آل احمد سرور بھی تنقیدی بصیرت کے امین وعلم بردار بن کر اُبھرے۔ آل احمد

سرورؔ اُردو تنقید میں اپنے معاصرین سے کئی حوالوں سے منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ وہ مغربی ادب سے گہری واقفیت کے باوجود اپنے تہذیبی ولسانی اثاثے پر فخر کرتے تھے۔ مشرقیت ومغربیت کے درمیان ہم آہنگی اور آمیزش کو جدید انسانی فکر کا لازمی جزو گردانتے ہیں:

''ایک بات مجھے مشرقی مزاج اور عالمی معیاروں کے بارے میں کہنی ہے۔ اگر مشرقی مزاج کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ہندوستان یا ایشیا سے نظریں نہیں ہٹانی چاہئیں، تو میں ایسی مشرقیت کو ذہنی ترقی کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتا ہوں اور اس کی خاطر جدید دور کو چھوڑ کر ازمنہ وسطیٰ کا ذہن اختیار کرنے کو تیار نہیں ہوں لیکن اگر اس کے معنی یہ ہیں کی انسانی تہذیب کی وحدت کو مانتے ہوئے اور ساری دُنیا کو مردِ مومن کی میراث سمجھتے ہوئے ہمیں اپنی قومی تاریخ اور قومی مزاج کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ پھر میں ہندوستانی ہوں اور اس پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ عالمی بنوں اور اس لیے جہاں روشنی ہے، جہاں حُسن ہے، جہاں گرمی ہے، جہاں جستجو ہے، جہاں حقائق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا ولولہ ہے، اس میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور آپ سب کو اس کی دعوت دیتا ہوں۔''

اُردو تنقید کی طرف یا یوں کہیں کہ نثر کی طرف آل احمد سرور صاحب بعد میں متوجہ ہوئے، پہلے پہل ان کا رُجحان شاعری کی طرف تھا اور ان کا ابتدائی کلام ''سلسبیل'' کے نام سے اور بعد میں'' خوابِ وخلش'' کے نام سے شائع ہوا۔ انھوں نے جو شعری سرمایہ پیش کیا ہے وہ ان کی شاعرانہ اور تخلیقی صلاحیتوں کا آئینہ ہے۔ اس میں تازگی و شگفتگی کے ساتھ مشاہدہ کی صلاحیت بھی نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں رومانوی سرشاری کے ساتھ ساتھ مناظرِ قدرت پر فریفتگی کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ دیارِ کہسار انھیں دیارِ حسن سے کم تر نظر نہیں آتا۔ وہ مناظر فطرت میں محو ہو کر کہہ اُٹھتے ہیں:

میرے حسین میرے سر بلند کہسارو
تمہاری گود میں آسودگی ملی مجھ کو
میں جب بھی گردشِ شام و سحر سے گھبرایا
تمہارے دم سے نئی تازگی ملی مجھ کو

ان کی نظموں اور غزلوں میں شادابی اور تازہ کاری کا احساس ملتا ہے۔ وہ تخئیل کی پرواز پر روک رکھنے کے باوجود احساس کی شدت سے معنی خیز اشارے کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں خیال کا

ارتقا جذباتی بھی ہے اور منطقی بھی۔ان میں قدیم و جدید دونوں رنگ نظر آتے ہیں،لیکن ان کی شاعری میں اُمید کی جھلک زیادہ نمایاں ہے۔ان کی غزلیں شگفتہ،شاداب اور معنوی حُسن سے مزین ہیں۔سماجی ،سیاسی اور تہذیبی مسائل کا ذکر بھی بلیغ اشاروں میں ادا کیا ہے،فلسفیانہ مسائل سے انھیں بوجھل نہیں کیا۔ان کے چند خوب صورت اشعار ملاحظہ فرمائیں:

غمِ جاناں غمِ دوراں کے ہیں کتنے نشتر
لیکن اب بھی میرے سینے میں لہو باقی ہے
غمِ جاناں غمِ دوراں کے ہیں کتنے نشتر
لیکن اب بھی میرے سینے میں لہو باقی ہے
تمہاری کم نگاہی سے مل گئی ہم کو
وہ ایک خلش جسے سرمایۂ حیات کہیں
مطالبے تو بہت سخت تھے زمانے کے
مگر حقوقِ محبت کی یاد آہی گئی
تمہارے ذکر سے مستی بھی آگہی بھی ملی
تمہاری یاد میں ایک نشہ بھی نجات بھی ہے
یہ دور بھی مجھ سے خرد کا وقار مانگے ہے
دل اب بھی شوق کے لیل و نہار مانگے ہے

سرور صاحب کی مکمل زندگی کا احاطہ کیا جائے تو وہ شاعر بھی تھے نظریہ ساز بھی اور عظیم نقاد بھی۔اُردو زبان کی ترویج کے لیے کوشاں دانش ور وادار یہ نویس اور مدیر بھی۔غالبؔ و اقبالؔ کے ناقد تو میرؔ کے قدردان بھی۔خوش نصیب بھی تھے کہ انھوں نے اپنی نظروں سے اپنی قدرومنزلت بھی دیکھی،علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں سرور صاحب پر سیمینار منعقد ہوئے اور ستائیس مقالات پر مشتمل کتاب "ارمغانِ سرور" (از:اصغر عباس) بھی سرور صاحب کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھی۔سرور صاحب نے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے،جو ان کے بعد بھی مدتوں اُردو ادب کے طلبا اور قارئین دونوں کے ادبی کو جلا بخشتا رہے گا۔قصہ مختصر یہ کہ آل احمد سرور کے مضامین کے بغیر اُردو ادب کے تنقیدی سرمائے کا تذکرہ نامکمل رہتا ہے۔☆☆☆

حیات جہدِ مسلسل کا نام ہے فرحت جمود سے بھی مقدر کہیں بدلتا ہے

بیادِ خلیل فرحت کارنجوی (مرحوم)

UGC APPROVED

یو جی سی منظور شدہ

سہ ماہی اردو امراؤتی

جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱ امراؤتی، مہاراشٹر (ہند) جنوری تا مارچ ۲۰۲۱ء

سرپرست : جناب منور پیر بھائی (پونہ)

مدیر

وسیم فرحت (علیگ)

Email: wkfarhat@gmail.com Cell: 09370222321

نائب مدیران: کلیم ضیا، احسن ایوبی

مشیر

شمیم فرحت

خط و کتابت کے لیے:

Waseem Farhat (Alig)
Post Box No.55, H. O.
AMRAVATI - 444601(M.S)

صرف زرِ سالانہ اور رجسٹری ڈاک کے لیے:

The Editor,URDU,
"Adabistan", Near Wahed Khan
UrduD.Ed.College, Walgaon Road,
AMRAVATI-444601,Maharashtra (India)

پاکستانی خریداروں کا صرف زرِ سالانہ بھجوانے کیلئے:

بزمِ تخلیقِ ادب پاکستان

II-B/18، کمرشل ایریا ہنڈ سپر ایشیا بیکری، ناظم آباد، کراچی

موبائل: 0321-8291908

شمارہ ہذا	۱۰۰ روپے
تعاون خاص	۲۰۰۰ روپے
لائبریری اور اداروں سے	۲۵۰ روپے
لائف ممبر شپ	۷۰۰۰ روپے

For Online Payments:
SEAMAHEE URDU
SBI ACCOUNT NO:
34961340420
IFS CODE: SBIN0000311

اگر آپ چیک یا ڈرافٹ بھیجنا چاہیں تو صرف SEAMAHEE URDU اس نام سے بھیجیں۔

UGC APPROVED
JOURNAL
ISSN 2278-229X
سہ ماہی
اردو
مدیر
وسیم فرحت (علیگ)
گوشۂ
شمس الرحمن فاروقی
جنوری تا مارچ ۲۰۲۱
افسانے
شمس الرحمن فاروقی